اگست ۲۰۰۶ء

ماہنامہ

نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ پاکستان

بانی شیخ المفسرین والمحدثین

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی مدظلہ العالی

مدیرِ اعلیٰ حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی

اِدارہ نشر و اشاعت مدرسہ نُصرۃ العُلوم گوجرانوالہ

مولانا حافظ عبد القدوس قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم

نماز جنازہ کا بہتر طریقہ

غیر مقلدین حضرات اپنا مسلکی تشخص اجاگر کرنے کیلئے اپنے ہر عمل کو یوں ظاہر کرتے ہیں گویا کہ وہی صحیح احادیث اور سنت کے مطابق عمل کرنے والے ہیں اور ان کے علاوہ باقی لوگ ضعیف احادیث پر عمل پیرا اور سنت کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، آج کل جنازوں کے موقعہ پر وہ نماز جنازہ کا اپنا مخصوص طریقہ بھی اسی انداز سے ظاہر کرتے ہیں اور ان کے جنازہ پڑھانے والے علماء اپنے اس مخصوص طریقہ کی اہمیت بڑی شد و مد سے بیان کرتے ہیں اور ان کے عوام اپنے مخالفین کو یہی باور کراتے ہیں کہ یہی طریقہ سنت کے مطابق ہے، ان کے پیچھے ایسے لوگوں کو بھی جنازہ پڑھنے کا موقع آجاتا ہے جو ان کے نظریہ سے متفق نہیں ہوتے اسلئے ایسے لوگوں کو اپنے علماء سے اس کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور علماء ان کو مسائل سے آگاہ کرتے رہتے ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ غیر مقلدین کے نماز جنازہ کے اس موجودہ طریقہ کو احادیث اور ان کے اپنے علماء کی تحریرات کی روشنی میں واضح کردیا جائے اور نماز جنازہ کے بہتر طریقہ کی وضاحت کردی جائے تاکہ علماء کو مسائل بتانے میں سہولت ہو جائے اور عوام الناس کسی غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع الیدین کا مسئلہ

جنازہ کی صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا ہر تکبیر کے ساتھ اٹھائے جائیں، اس بارہ میں حضرات صحابہ کرامؓ سے دونوں طرح کی روایات موجود ہیں مگر خود کئی غیر مقلد علماء کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کبّر علی الجنازۃ فرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ووضع الیمنی علی الیسریٰ۔ (ترمذی ج ا ص ۲۰۶، دار قطنی ج ۲ ص

۷۵) بے شک نبی کریمؐ نے جنازہ پر تکبیر کہی تو پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یرفع یدیه علی الجنازة فی اول تکبیرة ثم لا یعود۔ (دارقطنی ج۲ ص۷۵)

بے شک رسول اللہؐ جنازہ کی پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے، اگرچہ فرداً فرداً ان احادیث کی اسناد پر جرح بھی ہے مگر مجموعی لحاظ سے یہ آثار صحابہؓ کے ساتھ مل کر فقہاء کرام اور محدثین کے قواعد کے مطابق قابل عمل ہیں، اسی لئے امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا وقال بعض اهل العلم لا یرفع یدیه الا فی اول مرة بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ہاتھ صرف پہلی مرتبہ کی تکبیر میں اٹھائے۔

ان مرفوع احادیث اور آثار صحابہؓ کی وجہ سے احناف کا اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا بھی یہ نظریہ ہے کہ جنازہ کی تکبیرات میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جائے، اس کے برخلاف حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا صلی علی الجنازة رفع یدیه فی کل تکبیرة واذا انصرف سلّم۔ بے شک نبی کریمؐ جب جنازہ کی نماز پڑھاتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے اور جب فارغ ہو جاتے تو سلام کہتے۔

دارقطنی کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد غیر مقلد عالم محدث مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس روایت کو عمر بن شبہ نے مرفوع اور باقی حضرات نے موقوف ذکر کیا ہے، وهو الصواب۔ (تحفۃ الاحوذی ج۲ ص۱۶۵) اور یہی بات صحیح ہے کہ یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے، اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ کے آثار ہیں جن میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے، یہ روایات بھی حضرات فقہاء و محدثین کے قواعد کے مطابق اس لائق ہیں کہ اُن پر عمل کیا جا سکے، انہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ترمذی نے فرمایا فرأی اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم وغیرهم ان یرفع الرجل یدیه فی کل تکبیرة علی الجنازة وهو قول ابن المبارک والشافعی واحمد واسحق۔ (ترمذی ج۱ ص۲۰۶)

پس نبی کریمؐ کے صحابہ اور ان کے علاوہ دیگر اکثر اہل علم کا نظریہ یہ ہے کہ آدمی جنازہ پر ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرے اور یہی امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا نظریہ ہے۔

غیر مقلدین کا نظریہ

آج کل غیر مقلد علماء تو نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا درس دیتے اور اس کی تلقین کرتے ہیں مگر ان کے فن حدیث میں نظر رکھنے والے علماء کا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے، ان میں سے بعض کی عبارات ہم پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہری کا نظریہ

علامہ ابن حزم تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں ولا ترفع الایدی الا فی اول تکبیرۃ فقط (محلی ج ۱ص ۱۳۰) صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں واما رفع الایدی فانہ لم یأت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ رفع فی شیئی من تکبیر الجنازۃ الا فی اول تکبیرۃ فقط فلا یجوز فعل ذالک لانہ عمل فی الصلوٰۃ لم یأت بہ نص۔ (محلی ج ۱ص ۱۳۳)

رہا مسئلہ ہاتھوں کے اٹھانے کا تو نبی کریمؐ سے سوائے پہلی تکبیر کے کسی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کی صراحت نہیں ہے اسلئے اس کا کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ نماز میں ایسا عمل ہے جسکے بارہ میں کوئی نص نہیں ہے۔

غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ کا نظریہ

قاضی شوکانی تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کی دونوں طرح کی روایات پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں والحاصل انہ لم یثبت فی غیر التکبیرۃ الاولیٰ شیئی یصلح للاحتجاج بہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وافعال الصحابۃ واقوالھم لا حجۃ فیھا فینبغی ان یقتصر علی الرفع عند تکبیرۃ الافتتاح لانہ لم یشرع فی غیرھا الا عند الانتقال من رکن الیٰ رکن کما فی سائر الصلوات ولا انتقال فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ (نیل الاوطار ج ۴ص ۶۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ سے تکبیر اولیٰ کے علاوہ کسی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کی ایسی کوئی روایت ثابت نہیں جس کو دلیل بنایا جاسکے اور صحابہ کے افعال اور اقوال میں حجت نہیں اسلئے مناسب یہ ہے کہ صرف تکبیر افتتاح کے وقت ہی ہاتھ اٹھائے جائیں اسلئے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین اس وقت مشروع ہے جبکہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہو اور نماز جنازہ میں تو کسی دوسرے رکن کی جانب انتقال ہی نہیں ہے، قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ احادیث کی روشنی میں ان کے نزدیک تکبیر اولیٰ کے

علاوہ جنازہ کی باقی تکبیروں میں رفع یدین جائز ہی نہیں ہے۔

علامہ البانی کا نظریہ

غیر مقلد عالم مولانا محمد عبدہ فیروز پوری علامہ البانی کا نظریہ یوں لکھتے ہیں تکبیر اولیٰ کے ماسوا تکبیرات میں رفع الیدین کی مشروعیت پر ہمیں کوئی دلیل نہیں مل سکی لہذا یہ غیر مشروع ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، امام شوکانی وغیرہ محققین نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور یہی مسلک ابن حزم کا ہے۔ (احکام جنائز ص ۱۷۹)

محدث مبارکپوری کی تحقیق

محدث مبارکپوری جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین سے متعلق حضرت ابن عمرؓ کی روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں قلت لم اجد حدیثا مرفوعا صحیحا فی ھذا الباب ۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۶۵) میں کہتا ہوں کہ میں نے اس باب میں کوئی صحیح مرفوع روایت نہیں پائی۔

غیر مقلد عالم مولانا عبید اللہ رحمانی کی تحقیق

مولانا رحمانی لکھتے ہیں تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں البتہ بعض صحابہؓ سے ضرور ثابت ہے، اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رُو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے، بدعت یا ممنوع نہیں ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۵۰ و فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۵۶)

غیر مقلد عالم شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ کی تحقیق

مولانا محمد عبدہ لکھتے ہیں لیکن جس طرح تکبیر اولیٰ میں رفع الیدین والی احادیث ضعیف ہیں اس طرح باقی تکبیرات میں رفع الیدین بھی مرفوعاً ثابت نہیں ہے تاہم تکبیر اولیٰ میں رفع الیدین پر سب متفق ہیں، اگر اختلاف ہے تو باقی تکبیرات میں ہے، حضرت ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا یہ عمل دلیل بن سکتا ہے اور پھر بقول امام ترمذیؒ اکثر صحابہ اور تابعین کا مسلک بھی ہے۔ (احکام جنائز ص ۱۷۸)

قارئین کرام مولانا عبید اللہ رحمانی اور مولانا محمد عبدہ صاحب یہاں صحابہ کے عمل اور ضعیف احادیث کو دلیل بنا رہے ہیں حالانکہ غیر مقلدین تو اپنے مخالفین کو ضعیف احادیث پر عمل کرنے اور صحابہ کے عمل کو دلیل بنانے پر طعن کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ہم صحیح مرفوع احادیث پر ہی عمل کرتے ہیں اور صحابہ کے عمل کو حجت نہیں مانتے جیسا کہ ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں افعال الصحابۃ رضی اللہ

عنھم لا تنتھض للاحتجاج بھا۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۳۴۰) یعنی صحابہ کے افعال حجت نہیں بن سکتے اور نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں ونحن متعبدون بالروایة عن النبی المعصوم صلی اللہ علیہ وسلم لا برأی احد من الامة کائنا من کان (السراج الوہاج شرح مسلم ج ا ص ۵۵۲) ہم تو نبی معصومؐ سے روایت پر ہی عمل کرتے ہیں، امت میں سے کسی کی رائے پر نہیں خواہ کوئی بھی ہو، اور ایک جگہ فرماتے ہیں وفعل الصحابی لا یصلح حجة (التاج المکلل ص ۱۹۲) صحابی کے فعل کو دلیل بنانا درست نہیں ہے اور محدث مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں ان المعتبر ما رواہ الصحابی لا ماراٰہ۔ (تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۴۴) بے شک صحابی کی روایت معتبر ہے، اس کا نظریہ معتبر نہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس بارہ میں غیر مقلدین کے پاس ان کے نظریہ اور دعویٰ کے معیار کے مطابق کوئی دلیل نہیں ہے مگر حیرانگی کی بات ہے کہ آج کل ان کے علماء اپنے اسی عمل کو سنت کے مطابق کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارہ میں بھی حضرات صحابہ کرامؓ سے روایات مختلف ہیں، بعض پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض نہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن بطال نے فرمایا کہ جو حضرات نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں، امام مالکؒ نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا ہمارے شہر (مدینہ) میں معمول نہیں ہے (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۳۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال ہوا کہ آپ جنازہ پر نماز کیسے پڑھتے ہیں تو فرمایا اللہ کی قسم میں تجھے بتاتا ہوں میں اس جنازہ کے پیچھے چلتا ہوں پھر جب وہ رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اللہ کے نبیؐ پر درود پڑھتا ہوں پھر اللھم عبدک وابن عبدک (یعنی دعا کرتا ہوں) (مؤطا امام مالک ص ۷۹) اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ جنازہ میں قرأت نہیں ہے تو ان آثار کی روشنی میں احناف اور امام مالکؒ کا نظریہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں اسلئے کہ نماز جنازہ میں نماز کی شرائط پائی جانے کے باوجود یہ دعاء ہے، اگر کوئی سورۃ فاتحہ کو دعاء کے طور پر پڑھتا ہے تو احناف کے نزدیک جائز ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ان الفاتحة لو قرئت مکان الثناء لقامت مقام السنة (مرقات ج ۴ ص ۴۷) اگر ثناء کی جگہ

فاتحہ پڑھ دی جائے تو اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے اور فاتحہ کا احناف کے نزدیک بطور ثناء و دعاء جنازہ میں پڑھنے کا مشروع ہونا تقریباً تمام فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، جن بعض احناف نے اس کو مکروہ کہا ان کی تردید خود احناف علماء نے کی ہے جیسا کہ امام حسن شرنبلالیؒ نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں ومن السنة قرأة فاتحة الكتاب لانها خير الادعية واجمعها علّمها الله عباده فی محکم کتابه (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷) اور جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے اسلئے کہ یہ تمام دعاؤں سے بہتر اور جامع دعاء ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اپنے بندوں کو سکھلائی ہے، اسلئے بطور ثناء و دعاء فاتحہ جنازہ میں پڑھنا احناف کے ہاں مشروع ہے اس کے برخلاف حضرت جابرؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نماز جنازہ میں فاتحہ کو قرأت کی حیثیت سے پڑھنے کے قائل ہیں، اس کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ سے جو یہ روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی، اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اس میں ایک راوی منکر الحدیث درجہ کا ہے اسلئے یہ روایت انتہائی ضعیف ہے اور حضرت ام شریکؓ کی روایت کہ نبی کریمؐ نے ہمیں جنازہ میں فاتحہ کا حکم فرمایا، اس روایت کے بارہ میں غیر مقلد عالم محدث مبارکپوری (تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۱۴۲) اور محدث عظیم آبادیؒ (عون المعبود ج ۳ ص ۱۹۱) میں فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ ضعف ہے، اسی طرح اس بارہ میں دیگر روایات پر بھی جرح ہے، اس بارہ میں سب سے قوی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جو بخاری وغیرہ میں ہے کہ انہوں نے جنازہ پر بلند آواز سے فاتحہ پڑھی اور بعد میں فرمایا کہ میں نے ایسا اسلئے کیا لتعلموا انها سنة کہ تم جان لو کہ بے شک وہ (فاتحہ پڑھنا) سنت ہے، اس روایت سے غیر مقلدین کا جنازہ میں فاتحہ کے وجوب پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، اولاً اسلئے کہ اس سے دلیل کا مدار انها سنة کے بارہ میں حضرات محدثین کرامؒ کے اس قاعدہ پر ہے کہ صحابی جب کسی عمل پر سنت کا لفظ بولے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، اگرچہ جمہور کا نظریہ یہی ہے مگر یہ قاعدہ متفقہ نہیں ہے، غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں وقال العينی قول الصحابی من السنة حكمه حكم المرفوع على القول الصحيح قاله شيخنا زين الدين وفيه خلاف مشهور (عون المعبود ج ۳ ص ۱۸۸) امام عینی نے کہا کہ صحابی کا من السنة کہنا صحیح قول کے مطابق مرفوع روایت کے حکم میں ہوتا ہے اور یہ ہمارے شیخ زین الدین نے کہا اور اس میں خلاف مشہور ہے اور اس اختلاف کا ذکر (تدریب الراوی ج

۲ص ۱۱۲) میں بھی ہے اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اس بارہ میں امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں ربما نجد لفظ السنة من الصحابی ولکنه لا یکون المذکور تحته مرفوعا بل استنباطه واجتهاده (العرف الشذی علی الترمذی ج اص ۱۹۹) بعض دفعہ ہم صحابی سے السنۃ کا لفظ پاتے ہیں لیکن جس کے بارہ میں یہ ذکر کیا جاتا ہے اس کے تحت کوئی مرفوع روایت نہیں ہوتی بلکہ اس کا اپنا استنباط اور اجتہاد ہوتا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ حضور علیہ السلام سے صراحتاً جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے بارہ میں کوئی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں، اسی لئے تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں ہیں، وثانیاً اسلئے کہ صحابی بعض دفعہ ایسے عمل پر بھی سنت کا لفظ بول دیتے ہیں جو آپؐ نے کبھی ایک دو دفعہ کیا ہو اور اس کی مثالیں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں، اسلئے ہوسکتا ہے کہ کسی وقت آنحضرتؐ نے جنازہ میں فاتحہ پڑھی اور حضرت ابن عباسؓ اور جن صحابہ سے اس کا پڑھنا ثابت ہے، انہوں نے سنی ہو تو انہوں نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ ایسا عمل بھی حضور علیہ السلام نے کیا، ان صحابہ کا انداز بتاتا ہے کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت دائمہ نہ تھی ورنہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے یہ سنت مخفی نہ رہتی اور نہ ہی وہ اس کا انکار کرتے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں جبکہ حضرت ابن عباسؓ اس کو سنت فرما رہے ہیں اس سے ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔

غیر مقلدین کا نظریہ

عام طور پر غیر مقلدین امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نظریہ کے مطابق جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں اور نماز جنازہ کو بھی لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب کے حکم کے تحت شامل قرار دیتے ہیں مگر ان کے محدث مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ امام ابن تیمیہ کے نظریہ کے مطابق نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کو سنت مانتے ہیں اور نماز جنازہ کو لا صلوٰة والی روایت کے حکم میں شامل نہیں مانتے۔

امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ

غیر مقلد محدث عظیم آبادی لکھتے ہیں قال ابن القیم قال شیخنا ابن تیمیة لا یجب قرأة الفاتحة فی صلوٰة الجنازة بل هی سنة انتهی قلت الحق مع الشیخ ابن تیمیة واللّٰه اعلم (عون المعبود ج ۳ ص ۱۹۱) علامہ ابن القیمؒ نے کہا کہ ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ (مولانا عظیم آبادی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حق شیخ ابن تیمیہؒ کے

ساتھ ہے، اس سے علامہ ابن تیمیہؒ کے ساتھ ساتھ علامہ ابن القیمؒ اور محدث عظیم آبادی کا نظریہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت مانتے ہیں۔

جنازہ میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ ملانے کا مسئلہ

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نماز جنازہ میں فاتحہ کے وجوب کے تو قائل ہیں مگر اس کے ساتھ سورۃ ملانا درست نہیں سمجھتے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ شوافع سے سوال ہوا کہ تم جنازہ میں فاتحہ تو پڑھتے ہو مگر اس کے بعد کوئی سورۃ نہیں ملاتے حالانکہ روایت میں سورۃ ملانے کا ذکر بھی ہے تو جواب دیا گیا بان البیھقی قال فی سننه ان ذکر السورة فیه غیر محفوظ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۴۰) کہ امام بیہقی نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ اس روایت میں سورۃ کا ذکر محفوظ نہیں ہے اور امام بیہقی کے اسی قول کو علامہ ابن حجرؒ نے (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۱۹) میں اور محدث مبارکپوری نے (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۴۳) میں اور محدث عظیم آبادی نے (عون المعبود ج ۳ ص ۱۹۱) میں اور قاضی شوکانی نے (نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۷) میں نقل کیا ہے اور علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں ولا یقرأ بعد الفاتحة شیئا (الشرح الکبیر مع المغنی ج ۲ ص ۳۴۶) کہ امام احمدؒ کے نزدیک فاتحہ کے بعد کچھ قرأت نہ کرے، جب حضرات محدثین کرام نے جنازہ میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ کے ذکر کو غیر محفوظ کہا ہے تو غیر محفوظ الفاظ پر مدار رکھ کر سورۃ ملانے کو جائز بلکہ سنت ثابت ماننا غیر مقلدین کو ہی زیب دیتا ہے۔

جنازہ میں امام بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے

احناف کے نزدیک جنازہ میں امام بھی آہستہ آواز سے پڑھے، امام شافعیؒ کے نزدیک جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اسلئے وہ فرماتے ہیں کہ اگر جنازہ دن کے وقت ہو تو دن کی نمازوں میں قرأت کی طرح فاتحہ آہستہ پڑھے اور اگر جنازہ رات کو ہو تو بلند آواز سے پڑھے مگر دعا آہستہ ہی پڑھے۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱) مگر امام مزنیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے ویخفی القرأة والدعاء ویجهر بالسلام (مختصر المزنی ص ۳۸) قرأت اور دعا آہستہ اور سلام بلند آواز سے کہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ اور دعائیں آہستہ پڑھے چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں ویسر القرأة والدعاء فی صلاة الجنازة لا نعلم بین اهل العلم فیه خلافا ولا یقرأ بعد ام القران شیئا (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۷۰) اور قرأت اور دعا نماز جنازہ میں آہستہ پڑھے، ہم اس بارہ میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں

جانتے اور یہی بات علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ (الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۴۶) میں فرماتے ہیں، المغنی اور اس کی شرح الشرح الکبیر دونوں میں ہے کہ قرأت اور دعا آہستہ پڑھے اور یہی اہل علم کا متفقہ نظریہ ہے۔

غیر مقلد عالم نے جہری قرأت کو خلاف سنت کہا ہے۔

غیر مقلد عالم مولانا عبدالرؤف صاحب جنہوں نے صلوٰۃ الرسول کی شرح لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں نسائی سے ابن حزم نے حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت نقل کی ہے کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ سرّاً پڑھے، پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیرا جائے، اس حدیث کی سند صحیح ہے، پھر آگے لکھتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ قرأت سرّاً کی جائے، جہری قرأت خلاف سنت ہے (القول المقبول فی شرح وتعلیق صلوٰۃ الرسول ص ۱۱۷ بحوالہ الکتاب المقبول ص ۶۱۶) حضرت ابوامامہ کی جس روایت کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے وہ (نسائی ج ۱ ص ۲۸۱) میں ہے۔

صحابہؓ سے جہری قرأت کو جہر کی دلیل بنانے کی تردید

بعض حضرات نے حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے جو بلند آواز سے قرأت اور دعاء کرنا ثابت ہے اس کو بلند آواز سے قرأت اور دعاء کرنے کو جواز کی دلیل بنایا ہے مگر خود غیر مقلد محدثین نے اس کی تردید کی ہے کہ اس سے جہر کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں یہ بتلانا ہے کہ جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور اس سے نماز جنازہ میں آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں **وذھب الجمھور الی انہ لا یستحب الجھر فی صلوٰۃ الجنازۃ وتمسکوا بقول ابن عباس المتقدم لم اقرأ ای جھرا الا لتعلموا انہ سنۃ** (نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۶) اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھنا مستحب نہیں ہے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو دلیل بنایا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے بلند آواز سے صرف اسلئے پڑھا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک وہ (فاتحہ پڑھنا) سنت ہے، غیر مقلد عالم مولانا مبارکپوریؒ قاضی شوکانی کی یہی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں **قلت قول ابن عباس انما جھرت لتعلموا انھا سنۃ یدل علی ان جھرہ کان للتعلیم** (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۴۳) میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ میں نے بلند آواز سے صرف اسلئے پڑھا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک وہ (قرأت) سنت ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے

پڑھنا تعلیم کیلئے تھا، محدث مبارکپوریؒ کے اسی قول کی وضاحت کرتے ہوئے غیر مقلد عالم مولانا عبیداللہ مبارکپوری لکھتے ہیں قال شیخنا فی شرح الترمذی قول ابن عباس انما جھرت لتعلموا انھا سنة یدل علی ان جھرہ کان للتعلیم لا لبیان ان الجھر بالقرأة سنة (مرعاة المفاتیح ج۲ص ۴۷۸) ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا انما جھرت لتعلموا انھا سنة کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے پڑھنا تعلیم کیلئے تھا، قرأت کا بلند آواز سے سنت ہونا واضح کرنے کیلئے نہیں تھا، ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فتویٰ میں محدث مبارکپوری لکھتے ہیں پس جب معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے فاتحہ اور سورۃ کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا سنت ہے تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہئے تاکہ لوگ سن کر معلوم کرلیں اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج۵ص۱۰۶) اسی بحث میں حاشیہ میں غیر مقلد عالم نے لکھا جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، پھر آہستہ سے قرآن پڑھے، مزید لکھا کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ میں بلند آواز سے قرأت مستحب نہیں ہے اور انہوں نے ابن عباس اور ابوامامہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج۵ص۱۰۷) اور غیر مقلد مفتی نے فتویٰ دیتے ہوئے لکھا کہ بلند آواز سے برائے تعلیم سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ویسے سنت یہی ہے کہ قرأۃ آہستہ پڑھی جائے جیسا کہ نسائی میں ہے، بلند آواز سے سورۃ فاتحہ جب تعلیم کیلئے ہو تو جائز ہے پھر اس کو فتنہ کہنا صحیح نہیں ہاں اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج۵ص۱۵۲) ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان غیر مقلد علماء کے نزدیک بھی آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے اور بلند آواز سے پڑھنے کو سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت عوف بن مالک کی روایت استدلال

نماز جنازہ میں دعائیں بلند آواز سے پڑھنے کا جواز ثابت کرنے والوں نے حضرت عوف بن مالک کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو (مسلم ج۱ص۳۱۱) وغیرہ میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سن کر دعا یاد کی، اس سے استدلال یوں ہے کہ آپؐ نے دعاء جہر سے پڑھی ہوگی تو حضرت عوف بن مالک نے اس کو سن کر یاد کیا مگر اس روایت سے جہر ثابت کرنا صریح نہیں بلکہ صرف احتمال کی حد تک ہے

اسی لئے امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی توجیہہ یہ ہے کہ نماز کے بعد آپؐ کے سکھانے سے میں نے یاد کرلی۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱) اگرچہ بعض حضرات نے امام نووی کی اس توجیہ کی تردید کی ہے مگر اس روایت میں اس احتمال کا اعتراف خود غیر مقلد عالم علامہ امیر یمانی نے بھی کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں یحتمل انه صلی اللّٰه علیه وسلم جهر به فحفظه ویحتمل انه سأله ما قاله فذکره له فحفظه (سبل السلام ج ۲ ص ۱۶۶) اس (حضرت عوف والی روایت) میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپؐ نے بلند آواز سے دعا پڑھی ہو اور انہوں نے یاد کرلی ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے بعد میں آپؐ سے پوچھا ہو اور آپ نے ان کے سامنے اس کو ذکر کیا ہو تو انہوں نے یاد کرلی ہو، جب روایت میں دونوں احتمال ہیں تو ایک احتمال کو بلا دلیل یقینی مان کر دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے، اگر یہ احتمال لے بھی لیا جائے تو حضرات محدثین کرام نے لکھا ہے کہ آپ کا بلند آواز سے پڑھنا تعلیم کیلئے تھا، بلند آواز سے پڑھنا آپ کا معمول نہ تھا ورنہ جلیل القدر صحابہ سے یہ عمل مخفی نہ رہتا اور نہ ہی اس کا انکار کرتے اور نہ ہی ائمہ اربعہ پر مخفی ہوتا جو سب کے سب آہستہ آواز سے ہی جنازہ میں دعا کو مستحب کہتے ہیں۔

غیر مقلدین کا خلاف سنت طریقہ

جس طرح اہل بدعت اذانوں کے آگے یا پیچھے بلند آواز سے درود شریف صرف اپنے مسلکی تشخص کو اجاگر کرنے کیلئے پڑھتے ہیں اسی طرح آج کل غیر مقلد علماء آمین کی گونج میں اپنے مسلکی تشخص کو اجاگر کرنے کیلئے جنازہ میں بلند آواز سے دعائیں پڑھتے اور مقتدی آمین آمین کہتے جاتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ کسی حدیث یا صحابہ میں سے کسی کے قول سے ثابت نہیں بلکہ یہ طریقہ سراسر خلاف سنت ہے، امام کیلئے جنازہ میں دعاء آہستہ پڑھنا مستحب ہے اور جمہور امت کا نظریہ یہی ہے، اگر امام بلند آواز سے بھی پڑھے تب بھی مقتدیوں کو اپنے طور پر آہستہ دعا کرنی چاہئے، غیر مقلدین کو اس میں کچھ اشکال نہیں ہونا چاہیئے اسلئے کہ وہ امام کے بلند آواز سے فاتحہ پڑھنے کے باوجود پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں تو امام کے بلند آواز سے دعاء کرنے کے ساتھ بھی پیچھے دعاء کریں، امام کے بلند آواز سے پڑھنے کو مقتدی کیلئے پڑھنے کو رکاوٹ نہیں سمجھنا چاہیئے اسلئے کہ صرف آمین کہنے کا طریقہ خلاف سنت ہے۔

چنانچہ غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ثابت نہیں ہے، سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں ---

سوال: کیانماز جنازہ میں جب امام دعاء پڑھ رہا ہومقتدی پیچھے آمین بالجہر کرتے رہیں اور آمین بالجہر دعاء کی جگہ کفائت کرسکتی ہے، نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں آمین بالجہر مقتدیوں کیلئے کرنا صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت ہے، قیاس اور رائے قابل قبول نہ ہوگا؟

جواب: نماز جنازہ میں اپنی جگہ دعا کرے صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۵۳)

ایک اور سوال کے جواب میں غیر مقلد مفتی صاحب لکھتے ہیں ---

سوال: ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب نے نماز جنازہ پر مقتدیوں کو ہر دعائیہ فقرہ پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے کیونکہ عام لوگوں کو دعا نہیں آتی، اسلئے آمین کہنے سے وہ دعا میں شریک ہوجاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں تین مقامات پر دعا جنازہ میں آمین کہنے کا ثبوت ہے، الاعتصام میں اس پر روشنی ڈالی جائے؟

جواب: نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرتؐ اور عہد صحابہ وتابعین سے نہیں ملتا، بنابریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا، فتح الباری میں راقم کو اس کا ذکر نہیں مل سکا۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۹۱) جب غیر مقلدین کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے تو کس قدر دیدہ دلیری ہے کہ اس کو مستحب اور بہتر بتایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تعصب اور محض مسلکی تشخص کو اجاگر کرنے کیلئے خلاف سنت کو مستحب بتانے جیسے قبیح انداز سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

قارئین کرام! دلائل کی روشنی میں غیر مقلدین کے نماز جنازہ کے طریقہ کا حال آپ نے معلوم کرلیا، اسلئے آپ قلبی اطمینان رکھیں کہ نماز جنازہ کا بہتر طریقہ وہی ہے جو جمہور امت کا ہے اور احناف اس کی ترجمانی کرتے ہیں، غیر مقلدین کی جانب سے جو یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ بعض حضرات کو دعائیں نہیں آتیں اسلئے آمین کہلوائی جاتی ہے تو یہ عذر حضور علیہ السلام کے زمانہ میں زیادہ ہوسکتا تھا اسلئے کہ اس دور میں نئے نئے مسلمان تھے، اس کے باوجود آپؐ نے ایسا نہیں کیا تو آج ایسا کرنا کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے پھر اس طریقہ میں دوسری قباحت یہ ہے کہ جنازہ کی دعا اگر کسی کو یاد نہیں تو وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر غیر مقلدین کا یہ انداز ان کو دعائیں یاد کرنے سے غافل رکھنے اور اس خلاف سنت طریقہ کو رائج کرکے حضور علیہ السلام کے مبارک زمانہ سے آج کل چلے آتے طریقہ کو تبدیل کرنے کی ناپاک سازش ہے، اللہ تعالیٰ نقل متوارث سے ثابت طریقہ کی حفاظت فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔